© rasailojaraid.com

قرآن کریم اور مستشرقین

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

یورپی سامراج کے دور میں جن علمی شعبوں کو خصوصی اہمیت ملی ان میں استشراق نمایاں مقام رکھتا ہے۔ یہ سامراج کی ایک ضرورت تھی کہ وہ محکوم اقوام کی تاریخ، ثقافت، نفسیات اور ذہن کو سمجھنے اور حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں ایشیا اور افریقہ کی محکوم اقوام پر اپنے اقتدار و تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے حکمت عملی وضع کرے۔ عموماً ایشیا اور افریقہ میں جو افواج بھیجی گئیں ان کے ساتھ جو پادری آئے انہوں نے مقامی زبانوں سے واقفیت حاصل کی اور عربی، اردو، سنسکرت اور افریقی زبانوں میں موجود بعض کتب کے تراجم بھی کیے۔ ان میں ایسی کتب بھی شامل تھیں جو مقامی افراد کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھیں مثلاً برصغیر میں حنفی مسلک کی اکثریت تھی اور یہاں پر حنفی فقہ رائج تھا۔ جس کی بنیادی فقہی کتاب ہدایہ کا ترجمہ انگریزی میں ۱۸۷۰ء میں کسی مسلمان ماہر لسانیات نے نہیں بلکہ Charles Hamelton نے کیا۔

مستشرقین نے مشرقی زبانوں میں مہارت کے ساتھ دیگر مذاہب کی بنیادی کتب اور عقائد پر بھی توجہ دی چنانچہ جرمن مستشرقین Thoedore Noldeke، اور A.J.Wensink نے بالترتیب قرآن کریم اور حدیث شریف پر تحقیقات کیں۔ اول الذکر نے ۱۸۶۰ء میں *Geschichate des Qorans* طبع کی جسے نظر ثانی اور اضافوں کے بعد Freadrick Schwally نے تین جلدوں میں ۱۹۰۹ء تا ۱۹۳۸ء طبع کیا جبکہ A.J. Wensinck نے *A Handbook of Early Muhammadan Traditions Alphabatically Arranged*, Leiden, 1960 میں حرفی ترتیب کے ساتھ احادیث کی ایک قاموس مرتب کی۔

مستشرقین کی ان تحقیقات کا محرک بظاہر محض حصول علم نہ تھا بلکہ ان مصادر کی ایک ایسی تعبیر تھا جس سے خود مسلم ذہن متاثر ہو۔ چنانچہ نولدیکی نے قرآن کریم کو دیگر مذاہب کی الہامی کتب کی طرح انسانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہن کی تخلیق مانتے ہوئے اسے ترتیب نزولی کے لحاظ سے مرتب کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح Rodwell اور N.J.Dawood نے بھی قرآن میں تاریخی ارتقائی عمل کو بنیادی مفروضہ قرار دیتے ہوئے انسانی ذہن کی تخلیق ثابت کرنا چاہا۔ اس نوعیت کی کوششوں کے پیچھے بظاہر ان محققین کے وہ تجربات تھے جو انہوں نے بائبل کے حوالے سے کیے تھے۔ عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کی مختلف کتب کے مصنفین واضح طور پر انسان تھے اور انہی کے ناموں سے وہ کتب منسوب ہوئیں۔ مزید یہ کہ ان کتب میں ردو بدل اور ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ہونے کے عمل کے دوران جو ابہامات اور تضادات پیدا ہوئے، ان سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے عربی زبان کے ماہر مستشرقین نے قرآن کریم کو بھی Biblical Criticism کے اصولوں پر جانچنا چاہا۔

بائبل پر Higher literary Criticism کا اطلاق کیا گیا تو یہ سوال اٹھا کہ عہد نامہ جدید کی اولین چار کتب میتھیو، مارک، لیوک اور جون (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) کب تصنیف کی گئیں۔ کیا یہ ۷۰ بعد مسیح سے قبل تحریر پا گئی تھیں یا بعد میں لکھی گئیں۔ عموماً یہ تسلیم کیا گیا کہ صرف مارک ۷۰ سے قبل تحریر پا گئی تھی بقیہ کی تحریر تقریباً سو سے ڈیڑھ سو سال بعد مسیح کے دوران تکمیل کو پہنچی۔ یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ یہ سب ایک ہی مصدر سے نکلی ہیں یا ان کے مصادر متوازی اور مختلف Oral Traditions ہیں۔ چنانچہ Synoptic Problem نے ایک عرصہ تک بائبل کے ناقدین کو غلطاں و پیچاں رکھا۔

اس ذہنی پس منظر کے ساتھ مستشرقین نے جب قرآن کی طرف توجہ کی تو اسے بھی بائبل پر قیاس کرتے ہوئے وہی سوالات اٹھائے جو آج Joseph Puin اور Toby Lester اور کچھ عرصہ قبل John Wansbrough نے *Quranic Studies: Source and Methods of Scriptural Interpretation,* Oxford, 1977 میں اٹھائے تھے۔ اور جو عنقریب طبع ہونے والی *Encyclopaedia of the Quran* میں، جو مشہور ولندیزی مطبع E.J. Brill، لائیڈن سے طبع کرے گا، اٹھائے جائیں گے۔ ان سوالات کو اختصار کے ساتھ یوں نقل کیا جا سکتا ہے۔

۱- کیا قرآن کریم بھی بائبل کی تحریر کی طرح ڈیڑھ دو سو سال تک ترتیب و تدوین کے مراحل سے گزرتا رہا اور آخر کار دوسری صدی ہجری میں اسے وہ شکل دی گئی جو آج پائی جاتی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲- کیا قرآن کریم کے بارے میں اس تصور کی بنیاد کہ اس کا ترجمہ نہ کیا جائے یا ترجمہ کو متن نہیں قرار دیا جائے گا اس بات پر ہے کہ قرآن خود عربی زبان میں ایک گنجلک تحریر ہے اس لیے ترجمہ اس میں مزید مشکلات میں اضافہ کا باعث بن سکتا ہے؟

۳- کیا قرآن بائبل کی مختلف کتب کی طرح سے اپنے دور کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ کو پیش کرتا ہے اور اس بنا پر ایک ذہنی ارتقاء کی نشان دہی کرتا ہے؟

۴- کیا قرآن بھی بائبل کی طرح ایک تاریخی دستاویز ہے جسے بعد کے ادوار میں جوں کا توں رائج و نافذ نہیں کیا جا سکتا اور عیسائیت کی طرح اسلام کو بھی ایک Reconstruction اور Renaisance کی ضرورت ہے تاکہ اسلام کی ایک نئی عصری تعبیر کی جا سکے جو ماضی کے اثرات سے مبرا ہو۔

اس سے قطع نظر کہ یہ سوالات کہاں تک درست ہیں اور ان کے پیچھے کون سے محرکات کارفرما ہیں، ان چاروں بنیادی سوالات کے مفصل جوابات مسلم علماء و مفکرین پر واجب ہیں ان سوالات کو محض کم علمی پر مبنی قرار دے کر نظرانداز کر دینا یا اسے مغرب کی اسلام دشمنی اور ایک فکری صلیبی جنگ کی علامت قرار دے کر خاموش ہونا کافی نہ ہوگا۔

چاروں سوالات کی بنیاد جس مفروضہ پر ہے دراصل اس کا تعلق اسلام کے تصور ہدایت سے ہے۔ فلسفہ اور مذہب، عالمی طور پر ہدایت، رہنمائی اور علم کے قابل اعتبار ذرائع یا تو عقل کو قرار دیتے ہیں یا تجربہ کو یا وجدان اور اندرونی نفسی کیفیات کو۔ چنانچہ بدھ ازم ہو، ہندو ازم ہو، عیسائیت ہو یا عقل پرستی (Rationalism)، مادہ پرستی (Materialism)، تصوریت (Idealism) اور تجربیت (Empricism) یا وجدانیت (Intuitionism) واسراریت (Mysticism) بطور ایک فلسفہ اور مذہب ان کے ذرائع علم اور مصادر محدود (finite) اور تاریخی عمل کا حصہ ہیں جبکہ اسلام کا تصور ہدایت و رہنمائی کسی اندرونی تجربہ یا کیفیت یا عقلی اور ذاتی تفکر و ذہنی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ تاریخ سے ماوراء خالق کائنات کے غیر محدود علم کی ایک متعین، واضح، اور ابدی ہدایت یا وحی (Revelation) کی شکل میں منزل من اللہ ہونے پر مبنی ہے۔ یہاں یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے وحی ایک ایسا خارجی ذریعہ علم ہے جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذہن یا قلب کی داخلی کیفیت سے اپنی نوع (genus) کے لحاظ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف ہے۔

قرآن کریم نے خود اُن تمام ذہنی شکوک وشبہات کو قبل از وقت تصور کرتے ہوئے یہ بات واضح کر دیا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ عالمین کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ''یہ ایک رسول کریم کا قول ہے، کسی شاعر کا قول نہیں ہے، تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو، اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو، یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے'' (الحاقہ ۶۹: ۴۰-۴۳)۔ ''اور یہ کسی شیطان مردود کا قول نہیں ہے پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو؟ یہ تو سارے جہاں والوں کے لیے ایک نصیحت (ہدایت) ہے، تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو راہ راست پر چلنا چاہتا ہو'' (التکویر ۸۱: ۲۶-۲۸)

سورہ طٰہٰ میں یوں بیان کیا گیا ہے: ''یہ اس ذات کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان بنائے۔'' (طٰہٰ ۲۰-۴)۔ ایسے ہی سورۃ المومن میں فرمایا ''ح-م اس کتاب کا اتارا جانا ربِ غالب اور العلیم کی طرف سے ہے'' (المومن ۴۰: ۱-۲)۔ یہی مضمون سورہ النمل ۲۷: ۶، سورہ الزمر ۳۹: ۱، سورہ الواقعہ ۵۶: ۸۰، الحاقہ ۶۹: ۴۳، الاحقاف ۴۶: ۲۱ اور الجاثیہ ۴۵: ۲۱ میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا قرآن کریم اپنی قسم کے لحاظ سے ان مذہبی کتب سے بنیادی طور پر مختلف اور منفرد ہے جن کے اکثر مصنفین کے ناموں کا تعین بھی کرنا مشکل ہے اور وہ annonimity کا شکار ہیں۔

الکتاب اپنے بارے میں یہ بات بھی واضح کرتی ہے کہ یہ نہ کسی محض تاریخی اور تہذیبی دور کی پیداوار ہے اور نہ ہی تاریخ میں مقید ہے بلکہ تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز کرنے والی تاریخ ساز کتاب ہدایت ہے۔ ''ا-ل-م (یہ) ایک (پرنور) کتاب ہے اس کو ہم نے آپؐ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف (یعنی) ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف (اللہ) کے راستے کی طرف لے جائیں'' (ابراہیم ۱۴: ۱)۔ اس وضاحت کے ساتھ قرآن کریم یہ بھی تعین کر دیتا ہے کہ اسے کس سال کس ماہ اور مہینہ کے کون سے حصے میں نازل کیا گیا تا کہ وہ تمام قیاس آرائیاں جو اس کے سو دو سو سال تک گردش کرنے کے بعد یکجا کیے جانے کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں پیدا ہو سکتی ہوں پہلے ہی رفع کر دی جائیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ''ح-م اس روشن (واضح) کتاب کی قسم کہ ہم نے اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبارک رات میں نازل فرمایا بے شک ہم ڈرانے والے ہیں'' (الدخان ۴۴:۱-۳)۔ پھر اس مبارک رات کو مزید واضح کر دیا کہ یہ رمضان میں تھی، ''رمضان کا مہینہ ہے جس میں یہ قرآن نازل ہوا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی ہے'' (البقرہ ۲:۱۸۵)۔ پھر یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ یہ رمضان کے آخری عشرے میں طاق راتوں میں سے کسی ایک میں مکمل طور پر نازل ہوا ''ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا'' (القدر ۹۷: ۱)۔ قرآن کریم کے ۲۳ سال میں اجزاء میں نازل ہونے کو بھی الکتاب نے خود بیان کر دیا کہ ''اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا'' (بنی اسرائیل ۱۷:۱۰۶، مزید الدھر ۷۶:۲۳)۔ قرآن کریم کی یہ اندرونی شہادت اس کے ہر قاری کے لیے ایک قطعی دلیل ہے۔

ان واضح بیانات کے باوجود جو اس کے من جانب اللہ نازل ہونے کے بارے میں کوئی شبہ رکھتے ہوں انہیں قرآن کریم نے نہ صرف اپنے عربی مبین میں نازل شدہ کلام بلکہ اس جیسے مفہوم و ہدایت رکھنے والی حکمت کی آیات کے حوالے سے یا دنیا کی کسی بھی زبان میں، اس کا متبادل لانے کی دعوت دے کر اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ یہ انسانی فکر کی پیداوار نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو'' (یونس ۱۰:۳۸) یا یہ فرمایا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ (ہود ۱۱:۱۳) آخر کار دعویٰ کو مزید آسان بناتے ہوئے کہہ دیا گیا کہ نہ دس نہ ایک سورت بلکہ اس جیسا کوئی کلام لے آؤ، چنانچہ ''اگر یہ سچے ہیں تو ایسا کلام بنا کر لائیں'' (الطور ۵۲:۳۴) مزید (القصص ۸:۴۹)۔ گویا قرآن کریم نے اپنے حوالے سے قیامت تک کے لیے تمام انسانوں کو دعوتِ عام دے رکھی ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو پھر ان خوبیوں اور خصوصیات والا کلام دنیا کی کسی بھی زبان میں بنا کر لے آئیں۔

اسی طرح اس تصور کے بارے میں کہ قرآن کریم میں تکرار مضامین اور الجھے ہوئے مضامین پائے جاتے ہیں قرآن کریم نے بار بار یہ بات دوٹوک انداز میں پیش کی ہے کہ نہ اس میں کوئی جھول ہے فنی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادبی طور پر، نہ نحو، صرف اور قواعد کے لحاظ سے اس جیسا یا اس سے افضل کلام ہوسکتا ہے۔ گزشتہ چودہ سو سال سے اس کی یہ دعوت عام موجود ہے کہ جس کسی کو یہ شک ہو کہ عربی مبین میں یہ کلام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نہیں ہے وہ اس جیسا کلام پیش کرنے کی کوشش کرے۔

قرآن کریم نے عقیدہ، معاملات، حقوق وقانون اور جزاوسزا سے متعلق جو اصول اور متعین ہدایات (directives) احکام (commands) اور تعلیمات (instructions) دی ہیں ان کا ماخذ عرب جاہلی روایات وثقافت اس لیے نہیں ہوسکتی کہ قرآن ان روایات کے ردوابطال کے لیے آیا اور اس کا مشن ان روایات کی جگہ اسلامی آفاقی اخلاقی نظام کو نافذ کرنا تھا۔ قرآن کریم ایک ایسے ترقی پسند معاشرہ کے وجود کا داعی بنا جس میں عرب جاہلیہ کی قدامت پرستی، روایت پرستی، تقلید اور اندھے عقیدہ کی جگہ روایت علم پر مبنی اجتہادی، تجزیاتی اور عقلی بنیادوں پر انفرادیت پسندی کی جگہ اجتماعیت کو قائم کیا گیا۔ یہ گویا ایک مکمل نظریاتی اور بنیادی انقلاب تھا جسے ہم ایک paradigm shift سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اس کی بنیادی خصوصیت یہی تھی کہ یہ مقامی اور علاقائی محدودیت سے نکل کر (universalism) یا ایک عالمی طرز فکر کا علمبردار بنا۔ اس کی تعلیمات پر ہر دور میں غور کرنے کے بعد ان کی عصری تعبیر وتشریح کی جاتی رہی اور اس طرح یہ ہر دور کے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت کا حامل رہا۔ اسلام کی اسی تحریکیت اور dynamism کی بنا پر نہ قرآن کو اور نہ اسلام کو reform کرنے کی ضرورت پیش آئی نہ کسی Renaisance کے ذریعہ فکری انقلاب لانا پڑا۔ جب تک اجتہاد اور تعبیر کا عمل جاری رہا مسلمان عروج کی منازل طے کرتے رہے جب وہ تقلید اور روایت پرستی کا شکار ہوئے ترقی کا عمل رک گیا۔

جہاں تک قرآن کریم کے تحریری شکل میں یکجا ومحفوظ کیے جانے کا تعلق ہے خود قرآن کریم یہ شہادت فراہم کرتا ہے کہ اپنی مکمل شکل میں اس کا نزول قرأت کے ساتھ کتابی شکل میں بھی ہوا چنانچہ دوسری سورت کی پہلی آیت ہی یہ اعلان کرتی ہے کہ ''ا-ل-م یہ الکتاب ہے اس میں کوئی (بات) شک (کی) نہیں'' (البقرہ ۲:۱-۲)۔ ایسے ہی مکی دور کی آیت ''اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں'' (الواقعہ ۵۶:۷۹) سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نزول وحی کے ساتھ ہی اسے لکھ کر محفوظ کرلیا جاتا تھا اسی لیے اس مکی آیت میں یہ ہدایت آگئی کہ ان اوراق کو طہارت کے بغیر ہاتھ نہ لگایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کریم کے اپنی اصل اور مکمل شکل میں محفوظ کیے جانے کے لیے روزِ اول سے ہی دو ایسے ذرائع اختیار کیے گئے جن کے بعد کوئی بڑے سے بڑا حادثہ بھی قرآن کریم میں تحریف، تبدیلی، یا اس کے ضائع ہونے کا سبب نہیں بن سکتا چنانچہ ہر رمضان کریم میں تراویح میں بغیر کسی فصل کے دورِ نبی سے آج تک بلکہ قیامت تک دنیا کے ہر خطے میں جہاں مسلمان پائے جاتے ہیں لاکھوں افراد اپنے اپنے محلے کی مساجد میں بہترین آواز کے ساتھ تلاوت کرنے والے حفاظ سے مکمل قرآن عموماً اس طرح سنتے ہیں کہ قرأت کرنے والا امام اس کا والد اور بیٹا جو سب حافظِ قرآن ہوتے ہیں ساتھ ساتھ تلاوت کو سنتے جاتے ہیں۔ اس طرح بیک وقت کم از کم تین نسلیں ایک ہی وقت میں قرآن کریم کی مکمل تلاوت کے ذریعہ اسے سینوں میں محفوظ کر لیتی ہیں یہی شکل تحریر کی بھی ہے۔

اس قیاس کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے کہ قرآن کریم پہلی مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دور میں مرتب ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت تحریری شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں صحابہ اور بالخصوص کاتبانِ وحی (جو سرکاری طور پر مقرر کیے گئے تھے) کے پاس محفوظ و موجود تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے اصرار پر معروف کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ کی سرکردگی میں اس تمام تحریری سرمایہ کو یکجا کروا کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا تھا اور اسی کی نقول حضرت عثمانؓ (۶۴۴-۶۵۶ء) نے ریاست کے اہم مقامات مکہ مکرمہ، دمشق، کوفہ، فسطاط اور مدینہ منورہ میں رکھوا دی تھیں تاکہ جس کو بھی اپنا مصحف مقابلہ کر کے درست کرنا ہو وہ ان مستند نسخوں کی مدد سے ایسا کرے۔ ان تاریخی حقائق کو محض اس بنا پر نظر انداز کر دینا کہ چونکہ بائبل کی تحریر اور جمع میں ڈیڑھ سو سال کا عرصہ لگا قرآن کریم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہوگا یا ہونا چاہیے ایک غیر منطقی رویہ ہے۔ خود قرآن کریم نے اپنی حفاظت کے بارے میں یہ بات واضح طور پر فرما دی تھی کہ "بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں" (الحجر ۱۵:۹) یا "اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے" (القیامہ ۷۵:۱۷) "اور یہ امِ الکتب (لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس (لکھی ہوئی اور) بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے" (الزخرف ۴۳:۴) "بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ) اور ہماری آیتوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں" (العنکبوت ۲۹:۴۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ۶ نبوی میں مکہ مکرمہ میں جب حضرت عمرؓ اسلام لانے سے قبل اس نیت سے نکلے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں اور انہیں راستے میں اپنی بہن اور بہنوئی کے قبول اسلام کی خبر ملی تو راستے ہی سے پہلے ان کی طرف چل پڑے۔ ان کی بہن اور بہنوئی تلاوت قرآن کر رہے تھے جسے سن کر حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ وہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ اپنی بہن اور بہنوئی کو سرزنش کرنے کے بعد جب انہوں نے بہن سے کہا کہ جو کچھ تم لوگ پڑھ رہے تھے وہ مجھے سناؤ تو ان کی بہن نے کہا کہ عمرؓ تم جب تک پاک نہ ہو جاؤ ان صفحات کو چھو نہیں سکتے۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ۶ نبوی تک جو آیات بذریعہ وحی آئی تھیں وہ مکہ میں ہر مسلمان گھر میں تحریری شکل میں محفوظ تھی اور ان کو حفظ کرنے کے ساتھ انہیں دیکھ کر تلاوت بھی کی جاتی تھی۔

یمن سے ملنے والے خستہ، غیر واضح اور نامکمل نوشتوں میں جنہیں ایک جرمن Dr. Hans Casper Graf von Bothmer نے جو اسلامی آرٹ کے مورخ ہیں اور دوسرے Dr. Gerd R. Joseph Puin نے جو کتابوں کو محفوظ کرنے کے فن کے ماہر ہیں ۳۵ ہزار مائکروفلم تصاویر لے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان خستہ صفحات پر جو تحریر انہیں ملی ہے اس میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً ابراہیم کو ابرہم یا سیما ہم کو سیھم تحریر کیا گیا ہے اگر اس ''دریافت'' کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے قرآن کریم کی صحت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ وہ جن سبعہ قرأت میں نازل کیا گیا ان میں اس کی گنجائش موجود تھی اور پھر حضرت زید بن ثابتؓ کے مصحف اور اس سے تیار کردہ نسخوں میں جو رسم استعمال ہوا وہ بھی یہ گنجائش فراہم کرتا تھا اس لیے اس بنا پر یہ نتیجہ نکالنا کہ دوسری صدی ہجری کی یہ تحریرات قرآن کریم کی صداقت میں کوئی شبہ پیدا کر سکتی ہیں ایک بے بنیاد مفروضہ ہے۔ ٹوبی لیسٹر کے صحافیانہ مضمون What is the Koran? نے جسے *Atlantic Monthly* نے جنوری ۱۹۹۹ء کے شمارے میں طبع کیا اور پھر انٹرنیٹ پر ڈال کر مشتہر کیا گیا ایک سنسنی تو پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن علمی حلقوں میں اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ جو باتیں اس میں بطور مفروضہ کے پیش کی گئیں وہ پہلے سے معروف تھیں اور ان کی علمی گرفت مسلم محققین کی مثبت تحریرات میں پہلے سے موجود تھی۔ اس مضمون کے انٹرنیٹ پر آنے سے عالمی طور پر نوجوانوں میں جمع قرآن کے بارے میں تجسس میں ضرور اضافہ ہوا اور اس واقعہ نے یہ موقع فراہم کیا کہ

© rasailojaraid.com